قانون کے معاملے میں تم سفارش کرنے آئے ہو‘‘۔ پھر فرمایا: ’’یاد رکھو کہ پہلے جو قومیں ہلاک ہوئی تھیں ان کی ہلاکت کی وجہ یہ تھی کہ ان کے یہاں امیروں کے لیے الگ قانون تھا، غریبوں کے لیے الگ۔ اگر کوئی طاقت ور انسان کوئی غلط کام کرتا تو اس کی گرفت نہ کی جاتی اور کوئی غریب اس کا ارتکاب کرتا تو اس پر آسانی سے قانون نافذ ہو جاتا۔ اس کے بعد آپؐ نے جو کلمات ارشاد فرمائے، واقعہ یہ ہے کہ وہ سوائے پیغمبر کے کسی کی زبان سے ادا نہیں ہو سکتے۔ آپؐ نے فرمایا:

لو ان فاطمة بنت محمد سرقت	اللہ کی قسم، اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری
لقطعت یدھا (بخاری)	کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

یہ ہے مساوات۔ کسی میں حوصلہ ہے کہ زبان ہی سے یہ الفاظ ادا کرے!۔ صحیح بات یہ ہے کہ جو حقوق اسلام نے دیے ہیں، اگر ان کے مطابق عمل کیا جائے تو یہ دنیا امن و سکون کا گہوارہ بن جائے گی اور انسانوں کے درمیان رنگ و نسل، دولت و غربت اور حاکم و محکوم کا جو فرق و امتیاز ہے وہ ختم ہو جائے گا اور سب قانون کے سامنے ایک ہوں گے۔

عصر حاضر میں اسلام کے علمی تقاضے

مولانا سید جلال الدین عمری

یہ مولانا کے ان مقالات کا مجموعہ ہے جو مختلف اوقات میں سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ اور ماہ نامہ زندگی نو، نئی دہلی میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان مقالات میں واضح کیا گیا ہے کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ دنیا اسلام کی طرف متوجہ ہو اور اس کی حقانیت تسلیم کرے تو ہمیں اس کے لیے بھر پور علمی اور فکری تیاری کرنی ہوگی اور اسلام کی روشنی میں موجودہ دور کے مسائل کا حل پیش کرنا ہوگا۔ امید ہے کہ ان مقالات سے فکر و نظر کو تحریک ملے گی اور یہ اسلامی تحقیق کے عمل کو آگے بڑھانے میں معاون ثابت ہوں گے۔

صفحات: ۸۰ قیمت: ۵۲

اوراقِ سیرت

مولانا سید جلال الدین عمری

اس کتاب میں سیرت نبوی کے بعض اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی اور تعلیمات کو ابدی ہدایت ورہنمائی کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت، مختصر سیرت، سیرت دلیل رسالت، ختم نبوت، انفرادی دعوت، دعوت عام، صحابہ کرام کے قبول اسلام کے بعد آزمائشیں اور صبر وثبات، مواخات مکہ، ہجرت حبشہ، غیر مسلم سرداران قبائل کا تعاون، ہجرت مدینہ کی تاریخی اہمیت، صلح حدیبیہ، مختلف علاقوں میں تبلیغی کوششیں، دعوتی مکاتیب نبوی اور عرب کے وفود دربار رسالت میں، جیسے عناوین پر تحقیقی انداز میں اظہار خیال کیا گیا ہے۔ آخر میں دنیائے علم پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات، فروغ علم کے لیے آپؐ کے اقدامات اور اصحاب صفہ کے تعلیمی و معاشی احوال زیر مطالعہ آئے ہیں۔

اس کتاب میں سیرت کے بعض موضوعات پر پہلی مرتبہ شرح وبسط کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ ان کے مطالعہ سے ذات نبوی سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے اور آپؐ کے نقش قدم کی پیروی کا جذبہ ابھرتا ہے۔

● سائز: $\frac{23 \times 36}{16}$ ● صفحات: 384 ● قیمت: 250.00

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۵

D-307, Dawat Nagar, Abul Fazl Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025
Phone: 26981652, 26984347 Fax: 26987858
E-mail: mmipublishers@gmail.com • Website: www.mmipublishers.net

حضرات عمرو بن العاصؓ، خالد بن ولیدؓ اور عثمان بن طلحہؓ کا قبولِ اسلام

تاریخی جائزہ

——————— پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

اشاعتِ اسلام کا معاملہ مکی عہدِ نبوی سے مدنی دورِ ارتقاء تک مختلف مراحل سے گذرتا رہا ہے۔ اس کے بہت سے سماجی، نفسیاتی، مذہبی، سیاسی، علاقائی، قبائلی، اقتصادی اور دوسری نوعیتوں کے پیچیدہ مسائل وعوامل تھے۔ دینِ قدیم سے محبت اور آباء واجداد کے طریقہ سے وابستگی، نئے دین کو قبول نہ کرنے کی صرف ایک وجہ نہ تھی۔ اس محبت وو ابستگی کے پیچھے اور بھی بہت سے اسباب وعوامل کارفرما تھے۔ ان سب کا تحقیقی مطالعہ کافی دقت طلب کام ہے۔ وہ دراصل مکی عہد میں نبوی مساعی تبلیغ و اشاعت اور افراد وطبقات کے قبولِ اسلام کے حقیقی وجوہ و اسباب کی تحقیق ہے۔ اسی کے ساتھ وہ قریشی اکابر اور ان کے پیروکار عوام کے، اسلام اور اس کی اشاعت کے خلاف ردعمل کی بھی تحقیق ہے۔ مختلف اسباب وجوہ کا تہہ در تہہ سلسلہ اور دوسرے واقعات سے ان کا ارتباط زیرِ زمین یا ظاہری واقعات وحوادث کے پیچھے کارفرما رہا ہے اور ان کو ظاہر بیں نگاہیں دیکھ نہیں پاتیں اور وہ صرف ظاہر پر نظر رکھتی ہیں۔ [۱]

ہجرتِ حبشہ مکی عہدِ نبوی کا ایک انقلاب آفریں مرحلہ ہے، جس نے نبوتِ محمدی اور اسلامی دعوت کو نظریاتی آفاقی فکر وخیال کی سطح سے بلند کر کے عالمی آفاقی عمل و واقعہ میں تبدیل کر دیا اور سرزمین عرب کی حدود سے بین الاقوامی سرحدوں کے پار ایک اسلامی امت برپا کر دی۔ ایک ایسی امت جو مکہ کی عظیم تر اسلامی امت کا ایک حصہ تھی اور

جغرافیائی طور سے الگ ہونے کے باوجود اس سے پوری طرح وابستہ تھی۔ ۲؎ سیرت نگاروں نے خاص طور سے ہجرتِ حبشہ کی روایاتِ مآخذ کو نقل کرنے کا کام کیا ہے لیکن ان کا تجزیہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ مورخین نے بھی یہی روایتی بیانیہ اختیار کیا ہے۔۳؎ بعض محققینِ سیرت وتاریخ نے حبشی امت اسلامی کے وجود، تشکیل اور ارتقا سے بحث کی ہے۔ ۴؎ اور بعض نے 'شاہِ حبشہ کی خدمت نبوی میں' خدمات کا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے ۵؎ لیکن ابھی تک اس موضوع پر کام کرنے کی ضرورت باقی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے دوسرے ابوابِ سیرت اور عطایائے نبوی کی تحقیق کرنے کی ضرورت ہے کہ معلومات وحقائق کا ایک بحرِ بیکراں مآخذ میں موجود ومتلاطم ہے۔

دینِ اسلام کی اشاعت میں حبشی امتِ اسلامی کا ایک مجموعی کردار وعمل رہا تھا اور دوسرا ان کے افراد کا کارنامہ تھا۔ ابھی تک مہاجرینِ حبشہ کی دعوت وعزیمت اور صلابت و حشمت کا روایتی بیان زیادہ کیا گیا ہے اور تجزیاتی مطالعہ کافی کم کیا گیا ہے۔۶؎ بلاشبہ وہ بھی ایک عمدہ اور قابل تعریف کام ہے، لیکن اس کا محدود پیرایہ اشاعتِ دین کے چوطرفہ پھیلاؤ کو صرف حدودِ حبشہ میں محدود کرتا ہے۔ روایتی سیرت نگاروں میں سے متعدد اکابر کا رویہ بڑا عجیب وغریب ہے کہ ان میں ابھی تک شاہ حبشہ نجاشی کا قبولِ اسلام ایک مسئلہ ہے۔ ۷؎ جب کہ مصادرِ حدیث وسیرت کی معتبر روایات وشواہد ان کے اسلام لانے کے شاہد عدل ہیں اور وہ ابھی تک روایات کے جنجال میں پھنسے ہیں۔ قدیم مصادرِ سیرت اور ان پر مبنی متاخر کتبِ سیرت حضرت نجاشی – اصحم بن ابجرؓ – ۸؎ کے اسلام لانے کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس سے زیادہ ان کا وسیع المعانی اور وسیع الجہات کارنامہ یہ بھی تھا کہ وہ اپنے طور سے اسلام کی اشاعت کا باعث بھی بنے تھے۔

حضرت نجاشیؓ کے قبولِ اسلام نے مکی قریشی سماج اور خاص کر ان کے جہاں دیدہ اکابر کو لرزاں وترساں کر دیا تھا اور ان کے عوام وخواص کو مہاجرینِ قریش کی دیارِ حبشہ میں بہ سلامتِ دین وجاں سکون نے پہلے ہی کافی پیچ وتاب میں مبتلا کیا تھا۔ حبشہ کی سرزمین سے مسلم مہاجرین کو واپس لانے کی قریشی اکابر کی تمام کوششیں بری طرح

ناکام ہوچکی تھیں۔ ان سب واقعات و معاملات کا گہرا اثر غور وفکر کرنے والے افراد، خاص کر ان کے مدبرین اور اہل علم وعقل پر پڑا تھا۔ قریشی وفود کے اہم ترین قائد وسربراہ عمرو بن العاص سہمی سفارتی آداب و کارگزاری کے ماہر تھے۔ وہ اپنی حکمت وتدبر، سوجھ بوجھ اور دانش وعقل کے سبب 'داھیۃ العرب' کہلاتے تھے۔ وہ اپنی عبقری شخصیت اور سیاسی قائدانہ صلاحیت اور تجارتی روابط ومہارت کے سبب حضرت نجاشیؓ کے ذاتی دوست بھی بن گئے تھے۔ ان کے مدتوں کے تعلقات اور روابط سے زیادہ وفودِ قریش میں قیادت اور تجارتی کاروانوں کی شرکت نے ان کو گہری بصیرت عطا کی تھی۔ روایاتِ سیرت سے واضح ہوتا ہے کہ وہ ہجرتِ حبشہ اور اس کے بعد کے واقعات سے بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہوگئے تھے اور صرف وہی نہیں، بلکہ ان کے طبقہ کے قائدینِ قریش بالخصوص خالد بن ولید مخزومی بھی ان تمام واقعات سے متاثر تھے۔ ان کے تاثر اور ذہنی وفکری کشاکش کا ذکر ان کے قبول اسلام کی روایات وواقعات میں ملتا ہے۔ ۹؎

اردو کتبِ سیرت میں مذکور روایات

حضرات خالد بن ولید مخزومی، عمرو بن العاص سہمی اور عثمان بن طلحہ عبدری رضی اللہ عنہم کے قبولِ اسلام کا ذکر مختلف انداز سے ملتا ہے۔ اول مختصر ذکر اور جستہ جستہ واقعات کے عنوان سے علامہ شبلی جیسے محققینِ سیرت نے کیا ہے۔ ان کا بیان بہت تشنہ ہے کہ وہ حضرت خالد بن ولیدؓ کے دورِ جاہلیت کے فوجی پس منظر کو بیان کرکے صلح حدیبیہ کے بعد مدینہ جانے، راستہ میں حضرت عمرو بن العاص سے ملنے اور دونوں کے اسلام لانے کے قصد سے مدینہ جانے اور بارگاہِ رسالت میں پہنچنے پر اسلام قبول کرنے کے سلسلۂ واقعات پر مشتمل ہے اور بعد میں ان کی اسلامی خدمات بھی مذکور ہیں۔ ۱۰؎ 'برادرانِ قریش کا قبولِ اسلام' مولانا صفی الرحمن مبارک پوری کی تین سطری بحث کا دل چسپ عنوان ہے، جو اسے اوائل ۷ھ کا واقعہ قرار دیتا ہے، جب کہ حاشیہ میں ان کے قبولِ اسلام کی مختلف تاریخوں کا حوالہ ہے اور اپنی پسندیدہ تاریخ کے دلائل بعض واقعات سے فراہم کیے ہیں۔ ۱۱؎ ان کے علاوہ بعض دوسرے اہل قلم بھی اس زمرہ میں شمار کیے جاسکتے ہیں۔

دوسرا طبقہ ان اہلِ قلم کا ہے جو حضرت خالد بن ولید مخزومیؓ کے قبولِ اسلام کی روایات تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ ان میں مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے 'اسلامِ خالد بن الولید وعثمان بن طلحہ وعمرو بن العاص' کے جامع عنوان سے ان تینوں اکابر قریش کے اسلام لانے کا ذکر کیا ہے۔ تاریخ قبولِ اسلام کے ضمن میں اختلافاتِ روایات کا ذکر کر کے صلح حدیبیہ اور غزوۂ موتہ [کذا] کی درمیانی مدت کو حضرت خالد کے قبول اسلام کی تاریخ بتائی ہے اور پھر ان کے قبولِ اسلام اور ان کی ذہنی کشاکش کا ایک طویل قصہ لکھا ہے، جو ابن کثیر کی البدایۃ والنہایۃ (۴/ ۱۳۸۔۱۴۰) اور سیوطی کی خصائصِ کبریٰ (۱/ ۲۴۸) پر مبنی ہے۔ انھوں نے یہ تصریح نہیں کی کہ یہ روایت اصلاً کس قدیم ماخذ کی ہے۔۱۲؎ مولانا عبدالرؤف داناپوری نے یہ عنوان لگایا ہے: ''اسلام خالدؓ بن الولید وعمرو بن العاصؓ'' اور اول الذکر کے قبول اسلام کی تاریخ صفر ۷ھ متعین کی ہے (یعنی غزوۂ موتہ سے دو مہینہ [کذا] پہلے مسلمان ہوئے اور مدینہ آئے۔) حضرت خالدؓ کے حسب ونسب اور ان کے قریشی منصب 'قبہ' اور 'اعنۃ الخیل' کے حوالے سے ان کی فوجی لیاقت کا ذکر کیا ہے، اس کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ کے حکیم و عاقل اور 'داہیۃ قریش' ہونے کا ذکر کر کے وفودِ قریش میں حضرت نجاشیؓ کے دربار میں قیادت، ان کی عمرِ مبارک اور بعد میں عہدِ نبوی اور عہدِ خلافت میں ان کی امارت وسیاست کا تذکرہ کیا ہے اور دوسرے پیراگراف میں زبیر بن البکار سے ماخوذ اصابہ میں روایتِ ابن حجرؒ بیان کی، جس کے مطابق ان کے قبول میں تاخیر کا سبب جہاں دیدہ اکابرِ قریش کی ذہنی وفکری اور سیاسی و دینی سلطانی اور ان کی تابع داری کا ذکر کیا ہے۔ بعد میں غور وفکر نے ان کو صحیح راہ دکھائی۔ داناپوری نے زبیر بن البکار، واقدی اور ابن اسحاق کی متفقہ روایت پر پہلے حضرت نجاشیؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے کا ذکر کیا ہے، مگر اسی کے ساتھ اصابہ ابن حجرؒ میں بغوی کی 'بسند جید روایت' نقل کی ہے کہ ''حضرت عمرو بن العاص نے حضرت جعفر کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا''۔ ابن اثیر کی اسد الغابہ سے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ حضرت نجاشیؒ کی رسالتِ محمدی کی تصدیق سے متاثر ہو کر ہجرت کر کے مدینہ آئے اور

عام خیبر میں مسلمان ہوئے۔ دوسری روایت بھی بیان کی ہے کہ ''وہیں مسلمان ہو گئے''، اس کے بعد مدینہ آئے اور اس میں ہے کہ صفر ۸ھ میں فتح مکہ سے چھ ماہ پہلے مسلمان ہوئے، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خالد بن الولید اور عثمان بن طلحہ عبدری راستہ میں ان کے ساتھ ہو گئے۔ وہ بھی اسلام قبول کرنے جا رہے تھے۔ پہلے خالد نے بیعت کی، ان کے بعد انھوں نے اس شرط پر بیعت کی کہ جو کچھ پہلے ہوا وہ معاف ہو جائے۔۔۔''[۱۳] مولانا سید فضل الرحمن (مصنفِ ہادی اعظم) نے 'حضرت خالد بن ولیدؓ کا اسلام' عنوان لگایا ہے۔ مآخذ کے حوالے سے مختلف تاریخوں کا ذکر کر کے صحیح قول یہ بتایا ہے کہ حدیبیہ اور فتح مکہ کے دوران اسلام لائے۔ اس کے بعد واقدی کے حوالے سے ان کے قبول اسلام کی وہی طویل روایت بیان کی ہے جو کاندھلوی نے نقل کی ہے اور جس میں حضرت خالدؓ کے مختلف اکابر قریش —صفوان بن امیہ جمحی، عکرمہ بن ابی جہل مخزومی، عثمان بن طلحہ عبدری— سے ملاقات کرنے اور ان کو قصدِ مدینہ کے لیے آمادہ کرنے کا مفصّل بیان ہے۔ اس کے مطابق حضرت خالدؓ کے ساتھ موخر الذکر نے رفاقت کی۔ ان دونوں سے مقام ہدہ پر حضرت عمرو بن العاصؓ سے اچانک ملاقات ہوئی، جو اسی مقصد سے مدینہ جا رہے تھے۔ تینوں نے ساتھ اسلام قبول کیا۔ مدینہ میں حضرات خالد و عمرو بن العاصؓ کے استقبال و قیام اور رسولِ اکرم ﷺ کی مسرت کا مزید ذکر ہے۔ خاتمہ پر حضرت عمرو بن العاص کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہم تینوں نے صفر ۸ھ کے شروع میں دستِ نبوی پر اسلام قبول کیا۔ اس پورے قصہ میں حضرت نجاشیؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے کا حوالہ نہیں دیا ہے اور روایت واقدی، ابن کثیر اور حیاۃ الصحابہ سے لی ہے۔[۱۴] حکیم محمود احمد ظفر (مؤلف سیرت خاتم النبیین) نے پہلے 'سیدنا خالد بن ولید کا قبولِ اسلام' کے عنوان سے یہ واقعہ اسی طرح البدایۃ والنہایۃ سے پوری تفصیل سے کاندھلوی اور سید فضل الرحمن کی مانند نقل کیا ہے، مگر اس پر ان کا ابتدائی بیان بہت اہم ہے، جو سب پر اضافہ ہے۔ اس کے مطابق حضرت خالد بن ولیدؓ نے عمرۃ القضاء سے کاروانِ رسالت کی مدینہ واپسی کے بعد قریش کے

ایک عام اجتماع میں خطبہ دیا تو اس میں فرمایا:

”ان محمداً لیس بساحر ولا شاعر وان کلامه کلام رب العالمین، فحق علیٰ کل ذی لُبّ ان یتبعه“

(محمد [ﷺ] نہ ساحر ہیں، نہ شاعر، بلکہ وہ جو کلام پیش کرتے ہیں وہ رب العالمین کا کلام ہے۔ اس لیے ہر صاحب عقل پر لازم ہے کہ ان کی اتباع کرے)

قریشی اکابرین سے عکرمہ بن ابی جہل مخزومی نے (جو خالد کے جگری دوست تھے) مخالفت کی اور ان کو عار دلایا، لیکن حضرت خالدؓ نے اپنے قبولِ حق کا اعلان کردیا۔ اس سے مکہ میں ہلچل مچ گئی اور قائدِ قریش ابوسفیان نے حضرت خالدؓ کو بلا کر نہ صرف ان کی سرزنش کی، بلکہ زد وکوب بھی کیا۔ اس موقع پر عکرمہ مخزومی نے ابوسفیان کو روکا اور اظہارِ حقیقت کیا کہ خطرہ تو مجھے بھی وہی ہے جو تم کو ہے، ورنہ خالد کی طرح میں دین کو قبول کرلیتا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں ایک سال کے اندر اندر مکہ کے سب لوگ دین محمد ﷺ کو قبول نہ کرلیں۔“ اس کے بعد حضرت خالدؓ کی ذہنی کش مکش اور اس کے تجزیہ کا ذکر ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت خالدؓ کو رسولِ اکرم ﷺ کے خلاف ہر مہم میں شکست کا ملال ہوتا، جو ندامت میں بدلتا اور ان کو اپنی ناکامی اور قریشی ہزیمت اور دینِ اسلام کی بالادستی کا یقین ہوتا جاتا۔ صلح حدیبیہ میں آپؐ کو صلوٰۃ الخوف پڑھاتے دیکھا تو مرعوب ہوگیا اور حملہ نہ کرسکا۔ صلحِ حدیبیہ کے معاہدہ کو حضرت خالدؓ نے قریش کی تمام سطوت وشوکت کو خاک میں ملنے سے تعبیر کیا ہے۔ ان کا دوسرا اہم تاثر یہ تھا کہ ”شاہِ حبشہ بھی آپؐ کا مطیع ومنقاد ہوگیا ہے ۔۔۔ میں بہت پریشان تھا کہ کیا کیا جائے۔ ایک خیال آیا کہ ہرقل شاہِ روم کے پاس جا کر نصرانی ہوجاؤں اور شاہانِ عجم کے تابع ہوکر اپنی زندگی کے دن گزاروں۔ پھر خیال آیا کہ چند روز اپنے وطن میں ہی رہ کر دیکھوں ۔۔۔ اسی خیال میں تھا کہ سرکارِ دوعالم ﷺ عمرۃ القضا کے لیے مکہ تشریف لائے ۔۔۔ میں مکہ سے باہر چلا گیا اور اِدھر اُدھر چھپ گیا ۔۔۔ میرا بھائی ولید بن ولید، جو آپؐ کے ہم راہ تھا، مجھے تلاش کرنے لگا ۔۔۔ میں اسے نہ ملا تو اس نے ایک خط لکھا“۔ اس خط

میں ولید نے حضرت خالدؓ کی عقل و دانش کی تعریف لکھی تھی اور ان کو اسلام لانے کی دعوت دی تھی اور آپؐ کی پیشین گوئی بھی بیان کی تھی۔ اس خط نے اور خاص کر کلماتِ نبوی نے میری رغبت میں اضافہ کیا اور میں نے مدینہ کا ارادہ کرلیا۔ باقی تفصیلات ویسی ہی ہیں۔ ۱۵ اس میں حضرت عمرو بن العاصؓ کے مقامِ ہدہ سے ان کے ساتھ شریکِ سفر ہونے کا ذکر اس کے بعد ہے اور حضرت نجاشیؓ کا واقعہ اس میں مذکور نہیں ہے۔ جب کہ ظہور احمد اظہر نے ان تینوں اکابر قریش کے قبولِ اسلام میں حضرت عمرو بن العاصؓ کے واقعہ کو ابن حجر کی روایت زبیر بن بکار اور الواقدی، ابن عبدالبر، ابن کثیر اور ذہبی کے حوالے سے نقل کی ہے، جس میں حضرت عمرو بن العاصؓ کے حضرت نجاشیؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے کا مفصل بیان ہے۔ اس میں بعض تفصیلات و واقعات بہت اہم ہیں۔ ان کو بہ شکل نکات ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

۱۔ اسلام کے خلاف عناد اور اس کے سبب غزواتِ بدر و احد و خندق میں شرکت۔

۲۔ اپنی مساعی کی ناکامی اور قریش پر رسولِ اکرم ﷺ کی فتح کا یقین، تنہائی و عزلت کی زندگی۔

۳۔ صلح حدیبیہ کے بعد اگلے سال مکہ میں نبوی فاتحانہ داخلہ اور مکہ یا طائف میں پناہ نہ ملنے کا یقین اور صرف فرار کا راستہ۔

۴۔ اسلام کسی طور پر قبول نہ کرنے کا خیال۔ اپنی قوم سے مشورہ اور رائے کہ ہم نجاشی کے پاس پناہ لے لیتے ہیں، تاکہ اگر اسلام کو فتح ملے تو نجاشی کے طفیل ہم محفوظ ہوں گے اور یہ محمد ﷺ کے قبضہ سے بہتر ہوگا۔ دوستوں نے رائے پسند کی۔

۵۔ نجاشی کے لیے تحائف جمع کر کے دربار حبشہ میں پہنچے۔ اسی زمانے میں حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ وہاں حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیانؓ کا پیغام لے کر آئے۔

۶۔ نجاشی کے پاس دوبارہ خلوت میں گئے، اور سفیرِ نبوی کو قتل کرنے کی اجازت مانگی، تاکہ اشراف قریش کے قتل کا بدلہ لیا جائے۔ حضرت نجاشیؓ نے غصہ سے حضرت عمرو بن العاصؓ کی ناک پر ایک گھونسا مار کر انھیں زخمی کر دیا۔

۷۔ حضرت عمروؓ نے بادشاہ کے غضب کو ٹھنڈا کرنے کے لیے معافی مانگی، جس کے بعد نجاشی نے ان کا منہ دھلوا کر نئی خلعت پہنائی۔

۸۔ حضرت نجاشیؓ نے رسولِ اکرم ﷺ پر اسی ناموس اعظم کے نازل ہونے اور پیغام حق لانے کا ذکر کیا جو حضرات موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام پر لاتا تھا اور آپؐ کی رسالت کی تصدیق کر کے میری عقل و دانش کی دہائی دی اور اسلام لانے کی کھلی دعوت دی۔

۹۔ حضرت عمرو بن العاص سہمیؓ نے صحت و صداقتِ نبوی کے ساتھ غلبۂ اسلام کی خبر سنی تو حق کو پہچان کر ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور بیعت کی۔ تخلیہ سے نکل کر کسی ساتھی کو اندر کی بات نہ بتائی اور کشتی کے ذریعہ واپس ہوئے۔

۱۰۔ مصنف کے مطابق یہ بیانِ حضرت عمرو بن العاص سہمیؓ واقدی اور بیہقی سے ذہبی اور ابن کثیر نے نقل کیا ہے۔۔۔۱۶؎

مآخذِ اصلی کی روایات

اس موضوع پر ابن اسحاق اور واقدی کی روایات قدیم ترین ہیں۔ ان دونوں نے اپنی اپنی روایات اپنی اسناد سے دی ہیں، جس کی وجہ سے ان کا اصل منبع معلوم ہوتا ہے اور وہ متصل و مرفوع بن جاتی ہیں۔ ابن اسحاق کی سند یہ ہے: ”حدثنی یزید بن ابی حبیب عن راشد مولیٰ حبیب بن ابی اوس الثقفی عن حبیب بن ابی أوس الثقفی قال: حدثنی عمرو بن العاص من فیه۔۔۔“ اس کا مطلب واضح ہے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے اپنی زبانِ مبارک سے حبیب بن ابی اوس ثقفی سے بیان کیا اور ان کے مولیٰ راشد نے ان سے نقل کیا اور ان سے یزید بن ابی حبیب نے اور موخر الذکر نے ابن اسحاق سے پورا واقعہ بیان کیا۔۔۔ واقدی کی روایت کی سند یہ ہے: ”حدثنا عبد الحمید بن جعفر عن ابیه قال: قال عمرو بن العاص۔۔۔“ شروع کی یہ سند منقطع ہے، مگر پورے واقعہ کے بیان کے بعد واقدی نے اس کی دوسری متصل سند دی ہے: ”قال عبد الحمید: فذکرت هذا الحدیث لیزید بن ابی حبیب فقال: أخبرنی راشد مولیٰ حبیب بن ابی أویس [کذا] عن حبیب بن اوس الثقفی عن عمرو، نحو ذلک“۔

حضرت عمرو بن العاص سہمیؓ کے قبول اسلام کے بارے میں دونوں اصل مآخذ کی سندیں آخر میں نہ صرف متصل و مرفوع بن جاتی ہیں، بلکہ دونوں اپنی اصل میں یکساں اور ایک دوسرے کی مؤید ہیں، البتہ ان کے بعض رواۃ کے اسماء گرامی میں فرق ملتا ہے۔ جیسے واقدی کی متصل سند میں راشد کو حبیب بن ابی اویس لکھا گیا ہے، جب کہ ابن اسحاق کی سند میں وہ حبیب بن ابی اوس ثقفی ہیں۔ واقدی کی اولین سند میں عبدالحمید بن جعفر سے اور ان کی اپنے والد ماجد سے روایت کرنے کا ذکر ہے۔ اس طرح وہ ایک اور سند ہے۔ ان روایتی شہادتوں سے ان دونوں اماموں کی روایات مستند اور قابل اعتبار بن جاتی ہیں۔ دوسری درایتی اور متنی شہادتیں الگ ہیں۔

ابن اسحاق/ ابن ہشام کی اس روایت میں کسی تاریخ کا ذکر نہیں ہے، مگر اسے انھوں نے 'مقتل سلام بن ابی الحقیق' کے معاً بعد رکھا ہے۔ اس کی بھی تاریخ نہیں دی، البتہ اسے غزواتِ خندق و بنی قریظہ کے بعد بیان کیا ہے اور اسلام عمرو بن العاص و خالد بن الولید کے واقعہ کے بعد فتح بنی قریظہ کا زمانہ ذوالقعدہ اور اوائل ذی الحجۃ بیان کیا ہے۔ اس طرح وہ سنہ ۵ ہجری کا واقعہ بنتا ہے۔ واقدی نے اپنی اول الذکر سند پر مبنی روایت کے بعد حضرت یزید بن ابی حبیب سے جو وضاحتی اور تائیدی سند نقل کی ہے اس میں ایک اہم اضافہ ہے۔ عبدالحمید راوی کا بیان ہے کہ میں نے یزید سے کہا کہ آپ سے حضرات عمرو بن العاص و خالد بن الولید کے آنے کی توقیت نہیں کی گئی؟ تو انھوں نے کہا: نہیں، لیکن وہ فتح سے ذرا قبل کا واقعہ ہے۔ لیکن میرے باپ نے خبر دی کہ تینوں اکابر صفر کے نئے چاند ۸ ہجری میں مدینہ آئے تھے۔ واقدی نے حضرت خالدؓ کے قبولِ اسلام کی جو طویل روایت حضرت ہشام بن عروہ کی سند سے دی ہے (جس کا ذکر بعد میں آئے گا) اس کی تاریخ 'صفر سنۃ ثمان ۸ھ' واقعہ کے بیان کے بعد دی ہے۔ اس سے اول الذکر تاریخ کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن اس تاریخ کو قبول کرنے میں کئی قباحتیں ہیں۔ ان پر بحث پہلی اور دوسری دونوں روایتوں کے متنی تجزیے کے بعد آئے گی کہ اس سے تاریخ کی صحیح اور حتمی تعیین کی جاسکتی ہے۔ ۱۸؎

اسلام اکابرِ ثلاثہ کی متفقہ روایات

امامانِ سیرت (ابن اسحاق اور واقدی) کی متفقہ روایات میں اصل نکات پر تو اتفاق ملتا ہے، جب کہ واقدی کی روایت میں چند تمہیدی اضافے پائے جاتے ہیں۔ موخرالذکر نے حضرت عمرو بن العاص سہمی کا بیان اس طرح شروع کیا ہے کہ ''میں اسلام کا مخالف و معاند تھا، لہٰذا مشرکوں کے ساتھ غزواتِ بدر واحد وخندق میں شریک رہا اور ہر بار نجات پاتا رہا۔ پھر میں نے سوچا کہ کب تک ایسا کرتا رہوں گا؟ واللہ محمد ﷺ قریش پر ضرور غالب آجائیں گے، لہٰذا اپنا مال قبیلہ کے پاس چھوڑا اور گوشۂ عزلت میں جا بیٹھا اور لوگوں سے کوئی تعلق نہ رکھا، لہٰذا حدیبیہ اور اس کی صلح میں شریک نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ صلح کے بعد واپس ہوئے اور قریش مکہ واپس آئے تو میں نے دل میں کہا کہ اگلے سال محمد ﷺ مکہ میں اپنے صحابہ کے ساتھ داخل ہوں گے اور مکہ میں کوئی منزل ہوگی نہ طائف میں، لہٰذا نکل بھاگنے (خروج) کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہے گا، کیوں کہ میں اسلام کا اتنا مخالف تھا کہ طے کرلیا تھا کہ تمام قریش نے اسلام قبول کرلیا تو بھی میں اسلام نہ لاؤں گا۔ لہٰذا میں مکہ آیا اور اپنی قوم کے مردانِ کار جمع کیے۔۔۔'' یہیں سے ابن اسحاق کی روایت واقدی سے متفق ہوجاتی ہے، جس کا تمہیدی جملہ ہے کہ جب ہم احزاب کے ساتھ خندق سے واپس ہوئے تو میں نے قریش کے مردوں (رجالاً) کو جمع کیا۔۔۔''۔[۱۹]

بعض الفاظ وکلمات اور تراکیب کے اختلاف کے باوجود ان دونوں روایات میں کمال کی مماثلت پائی جاتی ہے۔ ان سے ایک دوسرے کی تصدیق و تائید ہوتی ہے۔ ان دونوں روایات کے مشترک حاصل معانی کو چند نکات کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے:

– حضرت عمرو بن العاص سہمیؓ نے اپنی قوم کے لوگوں سے اپنی بارے میں رائے پوچھی تو سب نے ان کی فراست و دانش اور سوجھ بوجھ کی تعریف کی۔[۲۰]

– انھوں نے اپنی قوم کو بتایا کہ میری رائے تم جانتے ہو کہ محمد [ﷺ] کا

معاملہ ایسا بلند و بالا ہو جائے گا جو ناپسندیدہ ہوگا، لہٰذا اب میری رائے یہ ہے کہ ہم سب نجاشی کے ملک میں ان سے جاملیں۔ اگر محمد [ﷺ] غالب آتے ہیں تو ہم نجاشی کے پاس ہوں گے اور ان کے ماتحت بننے سے بہتر ہوگا کہ ہم نجاشی کی رعایا بن جائیں۔ اور اگر ہماری قوم غالب آ گئی تو جیسا کہ ہم جانتے ہیں، وہ ہمارے لیے بہتر ثابت ہوگی۔''
سب نے اس رائے سے اتفاق کیا۔

— قومی اتفاق سے نجاشی کے لیے پسندیدہ ہدایا جمع کیے گئے، جو چمڑے پر مشتمل تھے اور بہت سی کھالیں تھیں۔

— ہم مکہ سے روانہ ہو کر اپنے اصحاب کے ساتھ نجاشی کے پاس پہنچے۔

— جس دن ہم وہاں پہنچے اسی دن نجاشی کے پاس رسول اللہ ﷺ کے سفیر حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ بھی پہنچے تھے۔ ان کو رسولِ اکرم ﷺ نے ایک گرامی نامے کے ذریعہ یہ ہدایت دی تھی کہ حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیانؓ سے ان کا نکاح کرادیں۔ وہ ہمارے سامنے دربار میں آئے اور فرمانِ نبوی پیش کیا۔ ابن اسحاق میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت جعفر اور ان کے اصحاب کے بارے میں گرامی نامہ ارسال کیا تھا۔ ۲۱؎

— جب حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ دربار سے چلے گئے تو میں نے اپنی قوم کے سامنے تجویز رکھی کہ اگر میں شاہ نجاشی سے تخلیہ میں سفیر نبوی کو مانگ لوں اور قتل کردوں تو قریش کے زخموں کا اندمال ہو جائے گا۔ سب نے اسے پسند کیا۔

— میں نے نجاشی کی خدمت میں حاضر ہو کر حسبِ دستور سجدۂ تعظیمی کیا۔ نجاشی نے دوست کہہ کر استقبال کیا، اپنی مسند کے قریب بٹھایا اور تحائف و ہدایا کے بارے میں پوچھا۔ وہ سب پیش کیے تو نجاشی نے ان میں سے بعض اپنے بطریقوں میں تقسیم کیے اور بقیہ خزانۂ عامرہ میں داخل کر کے ان کا اندراج کروایا۔ ۲۲؎ ابن اسحاق میں ہدایا کے قبول کرنے کا ذکر ہے، باقی کارروائی کا نہیں۔

— نجاشی کا مزاج دیکھ کر میں نے اس سے سفیر نبوی کو قتل کرنے کے لیے مانگا کہ یہ اس شخص کا سفیر ہے جس نے ہمارے اشراف و سربرآوردہ لوگوں کو قتل کیا ہے۔

– جیسے ہی میں نے شاہ نجاشی سے درخواست کی، وہ غضب ناک ہو گیا۔ اس نے اس زور سے میری ناک پر مکا مارا کہ اس سے خون بہنے لگا۔ اس سے میرے کپڑے آلودہ ہو گئے۔ مجھ کو اتنی ذلت کا احساس ہوا کہ تمنا کی، کاش زمین پھٹ جاتی اور میں اس میں سما جاتا۔

– میری سخت ندامت و معذرت پر نجاشی کا غصہ فرو ہوا اور وہ کچھ شرم سار بھی ہوا۔ اس نے مجھ سے کہا: اے عمرو! تم مجھ سے رسول اللہ ﷺ کے سفیر کو طلب کرتے ہو۔ وہ ایسے رسول ہیں کہ ان کے پاس وہی ناموسِ اکبر آتا ہے جو حضرات موسیٰ و عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے پاس آتا تھا۔ ابن اسحاق کی روایت میں صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔

– میرے استفسار پر کہ کیا سچ مچ ایسا ہے؟ شاہ نجاشی نے مزید تصدیق کر کے مجھے ملامت کی: ''تمہاری خرابی ہو اے عمرو: میری بات مانو اور آپؐ کی پیروی کرو۔ واللہ وہ حق پر ہیں۔ وہ اپنے مخالفوں پر ضرور غالب آ جائیں گے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون اور اس کے لشکر پر غالب آ گئے تھے''۔ واقدی میں یہ اضافہ ملتا ہے کہ اس کلام سے قبل حضرت عمروؓ کو اپنے دل کی تبدیلی کا احساس ہوا۔ انھوں نے اپنے دل میں کہا: ''اس حق کو عرب و عجم نے پہچان لیا ہے اور تو اس کی مخالفت کرتا ہے''۔ پھر شاہ سے میں نے پوچھا: کیا آپ اس کی گواہی دیتے ہیں۔ نجاشیؓ نے فرمایا: ہاں اے عمرو! میں اللہ کے پاس بھی گواہی دیتا ہوں۔۔۔''

– تب میں نے شاہ سے عرض کیا: کیا آپ مجھ سے رسول اللہ ﷺ کے لیے اپنے دستِ مبارک پر بیعت لے سکتے ہیں؟ شاہ نے اثبات میں جواب دے کر اپنا ہاتھ پھیلا دیا اور میں نے ان سے اسلام کی بیعت کر لی۔ شاہ نے میرے خون آلود کپڑے بدلوائے، میرے جسم سے خون صاف کرایا اور عمدہ لباس شاہی عطا کیا۔ یہ موخر الذکر حصہ صرف واقدی میں ہے۔

– دربارِ خاص سے میں باہر اپنے اصحاب کے پاس آیا اور ان سے اپنا اسلام چھپایا، کیوں کہ میری رائے بدل چکی تھی۔ واقدی میں یہ اضافہ ہے کہ رفقاء کے سوال کے جواب میں کہا (پہلی بات کرنا مناسب نہ تھا) ''پھر بات کروں گا''۔ میرے جسم پر

شاہی لباس دیکھ کر وہ مطمئن ومسرور ہو گئے۔ میں ساتھیوں سے ایک ضرورت کا بہانہ کر کے ان سے جدا ہو گیا اور وہاں سے سیدھا کشتیوں کے مقام پر پہنچا۔ وہاں ایک کشتی مل گئی جس پر بڑے بڑے لٹھے لدے تھے۔ ان کے ساتھ کشتی پر سوار ہو کر میں الشقیۃ ۲۴ تک آیا۔ اس وقت میرے پاس جو مال (نفقۃ) تھا وہاں اس سے ایک اونٹ خریدا، تاکہ مدینہ پہنچ سکوں۔ مرالظہران ۲۵ پہنچ کر جب الہدہ ۲۶ نامی وادی میں پہنچا تو دو آدمیوں سے ملاقات ہوگئی، جو وہاں قیام کا انتظام کر رہے تھے: ایک خیمہ کے اندر تھا اور دوسرا دو سواریوں کو تھامے ہوئے تھے۔ میں نے غور سے دیکھا تو وہ خالد بن ولید تھے۔ میں نے ان سے پوچھا: اے ابوسلیمان! کہاں کا ارادہ ہے۔ انھوں نے بتایا کہ محمد ﷺ کی خدمت میں حاضری کا۔لوگ اسلام میں داخل ہو چکے۔ اب صرف چوکر باقی بچا ہے۔ اللہ کی قسم، اگر ہماری یہی حالت رہی تو وہ ہماری گردنوں کو اسی طرح پکڑ لیں گے جیسے گوہ کی گردن اس کے بھٹ میں پکڑ لی جاتی ہے۔ میں نے کہا: میرا بھی یہی ارادہ ہے کہ حاضر خدمت ہو کر اسلام لاؤں۔ خیمہ سے عثمان بن ابی طلحہ نکلے اور میرا خیر مقدم کیا۔۔۔ہم نے اسی منزل میں قیام کر کے آگے کا سفر ساتھ ساتھ کیا۔

واقدی کی اس مفصل روایت کے مقابل ابن اسحاق میں اختصار ہے کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کی جانب اسلام لانے کے لیے رواں دواں تھا تو خالد بن ولید سے ملاقات ہوئی۔ یہ واقعہ فتح مکہ سے ذرا قبل کا ہے، جب وہ مکہ سے آ رہے تھے۔ حضرت عمروؓ کے استفسار پر حضرت خالدؓ نے فرمایا: عصا سیدھا ہو گیا اور وہ شخص بلاشبہ نبی ہیں۔ میں ان کے پاس اسلام لانے جا رہا ہوں۔ ابن اسحاق نے اس متفقہ روایت میں حضرت عثمان بن طلحہؓ کا ذکر نہیں کیا ہے۔اس کی جگہ انھوں نے ایک معتبر راوی کی سند پر ایک انفرادی روایت میں ان کے حضرات خالد وعمرو رضی اللہ عنہما کے ساتھ ہونے کا ذکر کیا ہے اور اس معاملہ کے بارے میں ابن الزبعری سہمی کے چار شعر نقل کیے ہیں۔

— ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ حضرات خالد بن ولید اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما مدینہ پہنچے اور خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے پہلے حضرت خالدؓ نے

بیعت کی۔ پھر حضرت عمرو بن العاصؓ نے قریب جا کر بیعت کی اور عرض کیا کہ میرے گزشتہ گناہ معاف کردیے جائیں۔۔۔ الخ

— واقدی کی روایت میں حضرت عمرو بن العاصؓ کے مدینہ پہنچنے اور وہاں کے واقعات کا مفصل بیان ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم مدینہ پہنچے تو جب ہم مقام بئر ابی عنبہ پر تھے کہ ایک شخص کا قول سنا جو چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا: ''یا رباح، یا رباح''۔ اس سے ہم نے نیک شگون لیا اور اس کو ہمیشہ یاد رکھا۔ ہم روانہ ہوئے تو اس شخص کو مزید کہتے ہوئے سنا: **قد اعطت مکۃ المقادۃ بعد ھذین** (ان دونوں کے بعد اب مکہ نے ماتحتی قبول کرلی) میرا خیال ہے کہ اس نے مجھے اور خالد کو اس سے مراد لیا تھا۔ پھر وہ تیزی سے مڑا اور مسجد کی طرف چلا گیا۔ خیال ہوا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو ہماری آمد کی خوش خبری دینے گیا ہے۔ ہمارا یہ خیال سچ نکلا۔ حرہ میں ہم نے قیام کیا اور اپنے عمدہ لباس زیب تن کیے۔ اسی دوران عصر کی اذان ہوگئی اور ہم ساتھ روانہ ہوئے۔

— جب ہم آپؐ کے رؤ برؤ ہوئے تو چہرہ انور جگمگا رہا تھا اور آپ کے اردگرد جمع مسلمان ہمارے اسلام لانے سے مسرور تھے۔ پہلے خالد بن ولید بڑھے اور بیعت کی، پھر عثمان بن طلحہ نے آگے بڑھ کر بیعت کی، پھر میں بڑھا۔ آپ کے قدموں کے پاس بیٹھا تو شرم و ندامت سے سر اٹھا کر آپؐ کی طرف نہ دیکھ سکا۔ میں نے آپ سے اس شرط پر بیعت کی کہ میرے تمام سابقہ گناہ معاف کردیے جائیں۔ آپؐ نے فرمایا: اسلام ماقبل کے تمام گناہوں کو ڈھا دیتا ہے اور ہجرت پہلے کے تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔ اس کے بعد واقدی نے عہد نبوی اور عہد خلافت راشدہ میں ان کے اقدامات اور نبوی سلوک کا ذکر کیا ہے۔ ۲۷

حضرت خالدؓ کے قبولِ اسلام کی روایت

امام واقدیؒ نے حضرت عمرو بن العاص سہمیؓ کی روایت کے بعد حضرت خالدؓ کی زبان سے ان کی روایت نقل کی ہے۔ اس کی سند یہ ہے: ''أخبرنا ابو القاسم

عبدالوهاب بن ابی حبیبة، قراءة علیه، حدثنامحمدبن شجاع قال: حدثنامحمدبن عمر الواقدی قال: فحدثنی یحییٰ بن المغیرة بن عبدالرحمن بن الحارث بن هشام، قال: سمعت ابی یحدث یقول:قال خالدبن الولید۔۔۔'' اصلاً یہ روایت حضرت ہشام بن عروہؒ کی ہے اس بنا پر منقطع لگتی ہے۔ ممکن ہے کہ وہ ان کے والد ماجد عروہ بن زبیرؓ کی روایت رہی ہو۔ ۲۸؎

اس اہم روایت کو بعض سیرت نگاروں اور اہل قلم نے نظر انداز کیا ہے اور بعض نے اسی پر تکیہ کر کے پورا واقعہ بیان کیا ہے۔ اس روایت کے خاص نکات اختصار کے ساتھ حسب ذیل ہیں:

– اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ خیر کا ارادہ فرمایا تو میرے دل میں اسلام کی محبت ڈالی۔ اس طرح مجھے ہدایت نصیب ہوئی۔

– حضرت محمد ﷺ کے خلاف میں نے مختلف غزوات ومہمات میں شرکت کی اور ہر مرتبہ واپسی پر احساس ہوا کہ وہ غالب ہوں گے۔

– رسول اللہ ﷺ جب حدیبیہ تشریف لائے تو میں مشرکوں کے الک شہ سوار دستے کے ساتھ اسلامی لشکر سے مقام عسفان پر ملا اور ان کے مقابل خیمہ زن ہوا۔ آپ نے نماز ظہر اطمینان سے ادا کی۔ ہم نے آپ پر حملہ کا ارادہ کیا مگر ہمت نہ ہوئی اور اسی میں خیر تھا۔ ہم پر غموں کا حملہ ہوا اور فکروں کی یورش۔ پھر عصر کے وقت آپؐ نے نمازِ خوف ادا کی۔ حملہ کا موقعہ تھا، لیکن نہ کر سکا۔ اپنے رفقاء سے کہا کہ ''اس شخص کی حفاظت کی جا رہی ہے''۔ لہٰذا ہم اپنے سواروں کے ساتھ واپس ہو گئے اور بکھر گئے۔

– قریش نے جب آپ سے حدیبیہ کی صلح کی اور آپ کو جانے دیا تو میرا احساس تھا کہ اب کیا بچا اور نجاشی کے پاس جانے کا کیا فائدہ؟ وہ تو خود محمد ﷺ کی اطاعت کر چکے ہیں اور آپ کے صحابہ ان کے پاس امن وچین سے آباد ہیں۔

– لہٰذا ایک خیال یہ آیا کہ ہرقل کے پاس چلا جاؤں اور اپنا دین چھوڑ کر نصرانیت یا یہودیت اختیار کر کے عجم کا تابع بن جاؤں۔

– مگر دوسرا خیال سدِّ راہ ہوا کہ کیوں نہ باقی دن اپنے گھر میں مقیم رہوں۔

– اسی حیص بیص میں تھا کہ رسولِ اکرم ﷺ عمرۃ القضاء ادا کرنے مکہ تشریف لائے۔ اس موقع پر میں مکہ سے باہر چلا گیا۔

– میرا بھائی ولید بن ولید نبی ﷺ کے ساتھ عمرۃ القضاء میں آیا۔ اس نے مجھے ڈھونڈا، مگر نہ پایا تو اس نے ایک خط لکھا۔

– اس خط میں میرے بھائی نے میری عقل و رائے پر ماتم اور تعجب کیا تھا کہ آپ جیسا شخص اسلام سے اس قدر ناواقف ہے۔ اس نے یہ بھی لکھا کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے آپ کے بارے میں پوچھا تو میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو جلد لائے گا۔ آپؐ نے فرمایا: ان جیسا شخص اسلام کے بارے میں کیسے ناواقف ہے۔ ان کو تو مسلمانوں کے ساتھ مل کر مشرکوں کے خلاف اپنی صلاحیتیں استعمال کرنی چاہئیں اور یہی ان کے لیے بہتر ہے۔ اگر وہ ہمارے پاس آتے تو ہم ان کو دوسروں پر ترجیح دیتے۔ لہٰذا اے میرے بھائی! فوت ہونے والے مواقع، جو مواقعِ خیر تھے، ان کا استدراک و کفارہ ادا کریں۔

– یہ مکتوب ملتے ہی میں روانگی کے لیے تیار ہو گیا اور اسلام میں میری رغبت بڑھ گئی۔ رسول اللہ ﷺ کے کلام نے مجھے مسرور کیا۔

– اسی دوران میں نے خواب دیکھا کہ میں تنگ قحط زدہ سرزمین سے سرسبز و شاداب اور وسیع زمین پر جا پہنچا ہوں۔ میں نے کہا: یہ سچا خواب ہے۔ جب میں مدینہ پہنچا تو میں نے سوچا کہ اس کا ذکر ابوبکرؓ سے کروں گا۔ ان سے ذکر کیا تو انھوں نے یہ تعبیر بتائی کہ یہ شرک کی تنگ و برباد وادی سے اسلام کی طرف ہدایت ربانی کا اشارہ ہے۔

– میں نے مدینہ جانے کا عزم مصمم کر لیا تو سوچا کہ کسے رسول اللہ کی خدمت میں مصاحب بنا لے کر جاؤں۔ سب سے پہلے صفوان بن امیہ سے ملا اور اس سے کہا: ''تم جانتے ہو، ہمارا حال کیا ہے، ہم تو اب محض چوکر اور معمولی جماعت بن کر رہ گئے ہیں۔ اور محمد [ﷺ] عرب و عجم پر غالب آ چکے ہیں۔ اگر ہم ان کے پاس چلے جائیں اور ان کی پیروی کریں تو ان کا شرف ہمارا شرف ہوگا''۔ اس نے سخت انکار کیا۔ وہ یہاں

تک کہہ گیا: اگر تمام قریش ان کی پیروی کرلیں تو بھی میں ہرگز ان کی اطاعت نہیں کروں گا۔ میں نے سوچا کہ یہ شخص غم زدہ اور انتقام کا طالب ہے کہ اس کا باپ اور بھائی بدر میں مارے گئے تھے۔

– پھر عکرمہ بن ابی جہل سے ملاقات کرکے وہی باتیں کہیں اور اس نے بھی وہی ردعمل ظاہر کیا۔ میں نے اس سے راز رکھنے کا وعدہ لے لیا۔

– پھر میں اپنے گھر آیا اور اپنی سواری نکلوائی کہ عثمان بن طلحہ سے ملاقات کروں، جو میرا دوست ہے۔ میں نے ان سے وہ تمام باتیں کہیں۔ انھوں نے اثبات میں جواب دیا۔ ہم دونوں نے طے کیا کہ یاجج مقام پر ہم دونوں ملیں اور طے شدہ بات کی طرح گجردم وہاں ملے۔

– وہاں سے ہم دونوں نے سفر کیا اور مقام ہدہ پر پہنچے تو عمرو بن العاص سے ملاقات ہوئی۔ ان سے بات چیت کرنے پر معلوم ہوا کہ ان کی منزل مدینہ اور مقصد اسلام قبول کرنا ہے۔ وہاں سے ہم حرہ پہنچے۔ رسولِ اکرم ﷺ کو ہماری آمد کی خبر سے مسرت ہوئی۔ میں آپؐ سے ملاقات کے لیے جب روانہ ہوا تو میرا بھائی مل گیا۔ خدمت نبوی میں پہنچا تو آپؐ نے فرمایا: الحمد للہ الذی ھداک، قد کنت اری لک عقلا، رجوت الایسلمک الا الی الخیر" پھر تینوں اکابر قریش کے رسول اللہ ﷺ سے باری باری بیعت کرنے کا ذکر ہے اور وہ متفقہ روایت کی مانند معانی رکھتی ہے۔۲۹؎

روایات پر محاکمہ

عام سیرت نگاروں نے تینوں اکابرِ قریش کے قبولِ اسلام کی دونوں روایات یا ان میں ایک روایت کو بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے، ان پر محاکمہ ونقد کرکے تجزیہ وتحلیل کا ضروری کام نہیں انجام دیا۔ اس کی وجہ سے ان کے ہاں بہت سے مسائل حل طلب رہ گئے۔ ذیل میں چند ذیلی عناوین کے تحت ان پر بحث کی جارہی ہے۔ اس سے نہ صرف واقعات واضح اور مسائل حل ہوں گے، بلکہ ان دونوں روایات کے صحیح معانی کی تفہیم ہوگی اور مصادرِ سیرت اور

ان کے اولین مؤلفین کرام کی مساعی کا صحیح اندازہ بھی کیا جا سکے گا۔

واقعہ کی صحیح تاریخ کی تعیین

مذکورہ بالا سیرت نگاروں نے مصادر میں مذکور ان بزرگ صحابہ کے قبولِ اسلام کی مختلف تاریخوں کے ضمن میں مختلف طریقے اختیار کیے ہیں: ایک یہ کہ بعض نے ان تاریخوں کا ذکر کر کے محاکمہ نہیں کیا اور قاری کو الجھن میں چھوڑ دیا کہ وہ کس سنہ کا واقعہ ہے۔ دوسرے یہ کہ کچھ نے مختلف تاریخوں میں سے کسی ایک تاریخ کو کسی ماہرفن کے قول کی بنا پر ترجیح دے دی اور دوسرا ابہام پیدا کر دیا۔ کئی ایک نے تیسرا طریقہ اپنایا کہ حضرت خالد بن ولید مخزومیؓ کے قبولِ اسلام کی تاریخ کا تعین عمرۃ القضاء اور غزوۂ موتہ وغیرہ کی بنا پر کیا ہے۔ ان تمام اکابرو ماہرین نے اس بحث میں روایاتِ ابن اسحاق و واقدی کی واقعاتی شہادتوں اور دوسرے حقائق و روایات کو نظرانداز کر دیا۔

– حضرات عمرو بن العاص سہمی، خالد بن الولید مخزومی اور عثمان بن طلحہ عبدری رضی اللہ عنہم کے قبولِ اسلام کے بارے میں متون کی واقعاتی شہادت یہ ہے کہ حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ بہ طور سفیر نبوی حضرت جعفر بن ابی طالب اور ان کے اصحابؓ کی خیبر سے مدینہ واپسی اور اس سے قبل حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان امویؓ سے نکاحِ نبوی کے انتظامات کے دہرے مقاصد سے حبشہ گئے تھے۔ تمام مصادرِ سیرت و حدیث کا اجماع ہے کہ یہ واقعہ صفر ۷ھ کا ہے اور حبشی مہاجرین کا قافلہ فتحِ خیبر کے معاً بعد وطن لوٹا تھا۔

– اس سے کچھ دنوں قبل حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ بہ طور سفیر نبوی دربارِ حبشہ میں پہنچے تھے اور وہ واقعہ صلح حدیبیہ کے معاً بعد کا ہے۔ لہٰذا حضرت عمرو بن العاص سہمیؓ کا قبولِ اسلام اسی سفارت کے قیامِ حبشہ کے زمانے میں پیش آیا اور وہ اوائل ۷ھ کا واقعہ ہے۔

– دوسری تمام تاریخیں، جن میں واقدی کی روایات کی حتمی تاریخیں بھی شامل ہیں، غالباً راوی کے تسامح پر مبنی ہیں، جس کی وجہ سے صفر ۷ھ کی جگہ صفر ۸ھ در آیا۔ ۳۰

مقامِ ہدہ میں حضراتِ ثلاثہ کا اجتماع

بیش تر سیرت نگاروں نے واقدی کی اس روایت کا آخری حصہ نظر انداز کر دیا ہے، جس میں حضرت عمرو بن العاصؓ نے اپنے سفرِ مدینہ کی مختلف منازل کا ذکر کیا ہے۔ روایتِ مذکورہ کے مطابق حضرت موصوف حبشہ سے بہ ذریعہ کشتی مدینہ کے لیے روانہ ہوئے تو ان کی پہلی منزل شعیبہ تھی۔ وہاں سے وہ بہ ذریعہ اونٹ مرالظہر ان پہنچے اور پھر اسی خشکی کے راستہ سے مقام ہدہ پہنچے، جہاں وہ حضرات خالد و عثمانؓ سے مل گئے۔ سیرت نگاروں نے ان کے مقامِ ہدہ پر ملنے کی توجیہ نہیں کی، جس کے سبب ابہام پیدا ہوا اور واقعاتِ سفر کی منازل کی تعیین نہیں ہو سکی۔

مدینہ میں استقبالِ نبوی

وادیٔ ہدہ سے مختلف منازل و مقامات سے سفر کرنے کے بعد یہ قافلہ مدینہ منورہ خدمت نبوی میں حاضر ہوتا ہے۔ ان کے تمام واقعات سماجی اور دینی لحاظ سے بہت اہم ہیں۔ ابن اسحاق نے اپنی روایت میں اخیر میں اختصار سے کام لیا ہے اور دوسری روایت بیان نہیں کی۔ واقدی کو یہ شرف جاتا ہے کہ انھوں نے دونوں روایات کو بیان کرکے ان کو مستند کرنے کے ساتھ نئی قیمتی معلومات عطا کیں۔ ان میں سب سے اہم رسول اکرم ﷺ کا سرور و انبساط اور ان جگر گوشانِ حرمِ مکہ کی آمد پر خیر مقدمی کلمات ارشاد فرمانا ہے۔ بلاشبہ ان تینوں اکابرِ قریش کا قبولِ اسلام ایک مہتم بالشان واقعہ تھا۔ ان سے اسلامی معاشرہ و ریاست کو خاص تقویت ملی تھی۔ ۳۱؎

نئی احادیثِ نبوی کا عطیہ

روایاتِ واقدی سے رسول اکرم ﷺ کی کئی نئی احادیث کا علم ہوتا ہے، جو متنِ ابن اسحاق اور دوسرے متونِ حدیث میں نہیں ملتی ہیں۔ ان میں سے ایک کا ذکر حضرت خالدؓ کے قبول اسلام کے باب میں ہو چکا ہے۔ ان ہی کے بارے میں دوسری حدیث ہے: **اللھم اغفر لخالدٍ کل ما اوضع فیہ من صدٍّ عن سبیلک**" (اے اللہ! خالد نے تیرے راستے سے

روکنے کے لیے پہلے جو کچھ کیا، اسے معاف کردے)۔ اسی طرح اس سے حضرت عمرو بن العاص سہمیؓ کی بعض احادیث و بیانات اور بعد کے واقعات کا علم ہوتا ہے، جو اہم تاریخی واقعات ہیں۔ اسی ضمن میں حضرت خالدؓ کے نام، ان کے مسلم بھائی حضرت ولید بن ولید مخزومیؓ کے خط کا متن اور اس میں ارشادِ نبوی کا حوالہ بھی اہم حدیث ہے۔ واقدی کی کتاب المغازی میں احادیثِ نبوی کا عظیم ذخیرہ موجود ہے، جس طرح ابن اسحاق کی السیرۃ میں ہے اور وہ جمع وتدوین اور تجزیہ کا منتظر ہے۔ ۳۲؎

لغتِ عرب کا خزانہ

روایاتِ ابن اسحاق و واقدی میں حضرت خالد بن ولیدؓ کے مکالمات میں، جو انھوں نے مختلف اکابر قریش سے کیے، قیمتی ادب موجود ہے۔ اسی طرح حضرت عمرو بن العاص سہمیؓ کے خطبات اور مکالمات میں بہت عمدہ عربی نثر کے نمونے موجود ہیں، جو ان کی قدرتِ کلام کے عکاس ہیں۔ ان کا ذکر روایاتِ مذکورہ کے بیان میں آ تا رہا ہے، لیکن ان کی اصل قدر و قیمت ان کے عربی متون میں ہے، جو عربی فصاحت و بلاغت کے نمونے ہیں:

— حدیبیہ میں اسلامی لشکر پر حملہ نہ کرنے کے بارے میں حضرت خالدؓ نے ان الفاظ میں وضاحت کی: "۔۔۔الرجل ممنوع وافترقنا، وعدل عن سنن خیلنا، واخذ ذات الیمین۔۔۔"۔

— حضرت خالدؓ کے خواب کی زبان یہ ہے: "وأری فی النوم کأنی فی بلاد ضیقۃ جدیبۃ فخرجت الی بلد اخضر واسع۔۔۔"۔

— صفوان بن امیہ جمحی سے حضرت خالدؓ کا مکالمہ ان الفاظ میں ہے: "یا ابا وھب! اما تری ما نحن فیہ؟ انما نحن أکلۃ رأس، وقد ظھر محمد ﷺ علی العرب والعجم، فلو قدمنا علی محمد ﷺ فاتبعناہ فان شرف محمد لنا شرف"۔

— صفوان کے انکار پر حضرت خالدؓ کا ان کے بارے میں یہ تبصرہ ہے: "ھذا رجل موتور یطلب وتراً، قد قتل ابوہ واخوہ ببدر"۔

— حضرت عثمان بن طلحہ عبدریؓ سے ان کی التجا کے الفاظ یہ ہیں: "انما نحن

بمنزلة ثعلب فی جحر، لو صب علیه ذنوب من ماء لخرج۔۔۔"۔

سفرِ مدینہ منورہ کے باب میں دونوں اکابر قائدین کے بیانات بھی عمدہ فصیح و بلیغ عربی کے نمونے ہیں۔ ۳۳؎

سماجی روایات کا ذکر

حضرات عمرو بن العاص سہمی اور خالد بن ولید مخزومی رضی اللہ عنہما کے قبولِ اسلام کی جو روایات ابن اسحاق اور واقدی نے بیان کی ہیں ان میں خاص طور سے موخرالذکر میں متعدد سماجی روایات کا ذکر ملتا ہے:

- شاہان عجم کے درباروں میں بالعموم زائرین و امراء سجدۂ تعظیمی ادا کرتے تھے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے بھی ایسا کیا تھا، جب کہ مہاجرینِ حبشہ نے اسلامی احکام کے مطابق اس کے بجائے صرف سلام پر اکتفا کیا تھا اور اسے حضرت نجاشی نے تسلیم بھی کیا تھا۔

- امراء وزائرین بالعموم سلاطین وملوک کے لیے قیمتی تحائف لے جاتے تھے۔ حضرت عمرو بن العاص سہمیؓ حبشہ کے اپنے تمام اسفار میں اور خاص کر اس سفر میں جس میں انھوں نے اسلام قبول کرلیا تھا، تحائف وطنی لے گئے تھے جو کھالوں اور چمڑے کی چیزوں پر مشتمل تھے اور پسندیدہ تھے۔

- شاہی تحائف حبشہ میں خاص کر بطارقہ (مذہبی پیشواؤں) میں تقسیم ہوتے تھے اور ان کا خاص اندراج دیوان میں کیا جاتا تھا۔

- شاہانِ عجم اور خاص کر شاہ نجاشی نے لباس فاخرہ کے عطایا و ہدایا حضرت عمروؓ کو دیے تھے۔

- خوابوں کی تعبیر ایک نفسیاتی چاہت تھی۔ اسے ان کے ماہرین سے پوچھا جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے حضرت خالدؓ نے اپنے خوابِ اسلام کی تعبیر مدینہ جا کر پوچھی تھی کہ وہ تاویل الاحادیث کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔

- خاص مواقع پر عمدہ لباس زیب تن کرنے کی سماجی روایت تھی، جیسا کہ قریشی قائدین نے دربار نبوی میں حاضری سے قبل انجام دی تھی۔

غائبانہ انداز میں خطوط کے ذریعہ عزیزوں اور قریبوں کو اطلاع دی جاتی تھی، جیسے برادر خالدؓ نے ملاقات نہ ہونے کا سبب کیا تھا۔۳۳؎

قبولِ اسلام کے موانع واسباب

۱– اکابرِ قریش اور ان کے عوام وخواص کا ایک عام اور مجموعی الزام رسولِ اکرم ﷺ اور دین اسلام پر یہ تھا کہ انھوں نے ہمارے معبودوں کا مذاق اڑایا، ہمارے دین کا مضحکہ کیا اور ہمارے اکابر واہل عقل ودانش کو بے وقوف قرار دیا ہے۔ سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ انھوں نے ہماری جمعیت کا شیرازہ بکھیر دیا اور ہمارے عزیزوں اور خاندانوں کو باہم تقسیم کر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے چچا جناب ابوطالب ہاشمی سے وفودِ اکابر قریش کے مکالموں اور ملاقاتوں میں خاص کران تکالیف کا ذکر ملتا ہے۔ خاص ہجرتِ حبشہ کے ضمن میں دربارِ نجاشی میں قریشی وفد کے سربراہ نے دیگر الزامات کے علاوہ یہ بھی الزام لگایا تھا کہ ان مہاجروں نے اپنے آبائی دین کو ترک کیا ہی ہے، آپ کا دین بھی قبول نہیں کیا ہے۔ انھوں نے یہ بات پہلے بطارقہ سے کہی تھی، پھر یہی بات دربار میں نجاشی سے کہی۔ بہرحال قومی اور آبائی دین کو یوں تیاگ دینا قریشی عوام وخواص کے لیے خاصا مشکل تھا۔ تمام خرابیوں کے باوجود وہ اپنے دین کے خوگر رہے تھے۔ ۳۴؎

۲– آبائی دین کا حوالہ یا اس کا مانع اگرچہ ابن اسحاق اور واقدی کی ان دونوں روایات میں نہیں ملتا، تاہم وہ ان میں مضمر ضرور ہے۔ حضرات عمرو بن العاص سہمیؓ اور خالد بن ولید مخزومیؓ کے بیانات میں اپنے دین قدیم سے وابستگی اور دین اسلام سے بیزاری کا عنصر بہت زیادہ ہے، حتیٰ کہ وہ دونوں اہل دانش وحکمت اور صاحبانِ شوکت و قیادت یہودیت وعیسائیت تک کو ایک مرحلہ پر اپنانے کے لیے تیار تھے، لیکن اسلام کو قبول کرنے اور اس کے نتیجہ میں رسولِ اکرم ﷺ کی ماتحتی تسلیم کر لینے کے لیے آمادہ نہیں تھے۔ ایسا ہی رویہ اور وتیرہ ان کے دوسرے اکابر اور اشراف کا تھا، جیسا کہ صفوان بن امیہ جمحی اور عکرمہ بن ابی جہل مخزومی سے ان کے مکالمات سے واضح ہوتا ہے۔ ۳۵؎

۳۔ غزوات و سرایا میں اشرافِ قریش اور عزیزانِ قوم کا اسلامی فوج کے ہاتھوں قتل ایک قومی سانحہ بھی تھا اور انفرادی زخم بھی۔ ان کی قومی حمیت کسی طرح ان کا پیچھا نہیں چھوڑتی تھی کہ وہ اپنے اکابرِ قوم اور سردارانِ قریش کے قتل کی ذلت برداشت کرلیں۔ ان میں سے بہت سے مقتولین ان کے اپنے عزیز و قریب تھے، جیسے صفوان بن امیہ جمحی کے بارے میں حضرت خالدؓ کا احساس تھا کہ وہ اپنے باپ اور بھائی کے قتل کی وجہ سے دل برداشتہ ہی نہیں، جوش انتقام سے تیغ براں تھے۔ وہ کسی طرح اس کو بھولنے کے لیے تیار نہ تھے، واقعہ یہ ہے کہ خون کے قریبی عزیزوں اور قومی رہنماؤں کی ہلاکت اور وہ بھی جنگ میں قتل، نفسیاتی طور سے قبول اسلام میں ایک بڑا مانع تھا۔ ۳۶

۴۔ غزوات و سرایا میں قریشی اشرافیہ اور پورے ملک میں ناقابلِ تسخیر سمجھی جانے والی قریشی فوج کی مسلسل ناکامی بھی ایک امر مانع تھا۔ بدر، احد، خندق اور مدنی دور کے نصفِ اول میں دوسری مہموں اور سرایا نے ان کی فوجی طاقت کی برتری کو قریب قریب ختم کردیا تھا۔ ان کی سیاسی ساکھ بھی متاثر ہوئی تھی اور دینی چودھراہٹ کا بھی بھرم نکل گیا تھا۔ حضرت عمرو بن العاص سہمیؓ اور حضرت خالد بن ولید مخزومیؓ کے بیانات سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ بدر میں ان کے اکابر و اشراف کی ایک بڑی تعداد کی ہلاکت ایک قومی سانحہ رہا، جسے وہ کبھی بھلا نہ سکے۔ احزاب میں تمام عرب کو اسلامی ریاست کے خلاف چڑھا لانے کے باوجود وہ بری طرح ناکام و نامراد رہے اور وہ ان کے تابوتِ عزت میں آخری کیل تھی۔ ۳۷

۵۔ صلحِ حدیبیہ میں ان کے عظیم ترین قائدین و اشراف کی غیر موجودگی ان کی شکستہ دلی کی ہی نہیں، قومی انتشار کی علامت تھی۔ ان دونوں عظیم تر قائدینِ قریش کے اعترافات روایاتِ ابن اسحاق و واقدی میں بھی موجود ہیں اور دوسرے مقامات میں بھی۔ مصادرِ سیرت و تاریخ کی متعدد روایات صراحت کرتی ہیں کہ مسلسل فوجی ناکامیوں نے اشراف و اکابر قریش کے اتحاد میں دراڑ ڈال دی تھی۔ بددلی، شکستہ خوردگی، شکست اور اقدام و حرکیت سے تہی دستی کا احساس ان کے اکابرِ قوم کو کنج ہائے عزلت میں لے گیا۔ اگرچہ غالب و معاند اکابرِ قریش نے رسولِ اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کی جماعتِ

معتمرین کو اس موقعہ پر عمرہ کرنے سے روکنے میں کام یابی پالی تھی، تاہم وہ عرب عوام و خواص میں بالعموم اور مکہ مکرمہ میں عمرہ کی اجازت دینے والے اکابر میں بالخصوص ایک خالص دینی معاملہ اختلاف کی راہ ہموار کر گیا۔ عرب تاریخ میں کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ کسی جماعت و فرد کو عمرہ، زیارت اور حج سے روکا گیا ہو۔ ایسا کر کے قریش کے ضدّی اکابر نے اپنی دینی ساکھ خراب کی تھی۔ حضرت خالد بن ولید مخزومیؓ کے الفاظ میں صلحِ حدیبیہ قریش کے غلبہ اور شوکت و قسمت کو کھا گئی اور وہ اسے قومی شکست ہی سمجھتے تھے۔۳۸

۶- مسلسل جنگ جوئی کے ماحول نے بدر سے خندق تک قریب قریب پانچ چھ برسوں تک ان کی شامی تجارت کا راستہ قطعی بند کر دیا، ان کی تجارتی دولت مندی بھی ان کی اقتصادی طاقت، مالی استحکام اور سماجی خوش حالی کی ضامن تھی، لہٰذا وہ مکی دور سے ہی اس کا احساس رکھتے تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ کسی طرح شامی شاہ راہِ تجارت کے خطرے میں پڑنے کا امکان بھی پیدا ہو، چہ جائے کہ وہ ان کے لیے بالکل بند کر دی جائے۔ اس مالی اور اقتصادی مار نے ان کو دوسرے راستے تلاش کرنے پر اکسایا، مگر وہ شامی تجارت کا بدل نہیں بن سکے۔ اس نے غصہ کو اور بھی تیز کیا۔ اپنی معاشی بدحالی کا ذمہ دار وہ ان اکابر کو سمجھتے تھے جو جنگ جوئی کا باعث بنے تھے اور رسولِ اکرم ﷺ اور اسلامی ریاست سے بھی خار کھاتے تھے۔

۷- رسولِ اکرم ﷺ کا روز افزوں جاہ و جلال اور اسلامی ریاست کا پیہم عروج و غلبہ ان کے لیے سب سے بڑا سوہان روح تھا۔ حضرت خالد بن ولید مخزومیؓ کی روایت میں اسے عرب و عجم پر نبوی غلبہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور نجاشیٔ حبشہ کی نبوی اطاعت و فرماں برداری سے حبشہ میں مسلم مہاجرین کی ایک بڑی تعداد کی مامون و محفوظ آبادکاری ان کی طاقت و شوکت کے لیے ایک بڑا چیلنج تھی، جو ناقابل برداشت تھا۔ اس سے زیادہ حضرت نجاشیؓ کی طاقت و مدافعت ان کے لیے باعثِ خلش تھی۔ حضرت عمرو بن العاص سہمیؓ اپنی تمام تر دوستی اور تجارتی یگانگت اور سماجی منزلت کے باوجود رسولِ اکرم ﷺ کے سفیر کے خلاف اقدام ہی نہ کر سکے، بلکہ نجاشی کے ہاتھوں انتہائی ذلت اٹھائی۔ رسالتِ محمدی کی حقانیت کی تصدیقِ نجاشی نے ان کو بھی عرب و عجم پر آپ کے

غلبہ اور حکم رانی کا احساس دلایا اور اسی نے ان کو اسلام کا حلقہ بہ گوش بنایا۔ صلح حدیبیہ کے دوران حضرت عروہ بن مسعود ثقفیؓ کے تاثرات اور امان کے زمانۂ معاہدہ میں حضرت ابوسفیان بن حرب امویؓ کے قیصر روم کے دربار میں ہونے والے مکالمات نے ان کو احساس دلادیا تھا کہ **ملک بنی الاصفر** بھی رسولِ اکرم ﷺ کی طاقت سے خوف کھاتا ہے اور اصحابِ محمد ﷺ جتنی اور جیسی عزت وتوقیر آپؐ کی کرتے ہیں ویسی تو شاہانِ عجم کے امراء وارکان اور خدم وحشم بھی نہیں کرتے۔ ۴۰؎

۸۔ حضرت خالد بن ولید مخزومیؓ کی روایت میں ان کا ایک تاثر اور بھی بہت ابھر کر سامنے آتا ہے، جو ان کو اسلام کے قریب کرتا اور رسولِ اکرم ﷺ کی حقانیت کا یقین دلاتا ہے۔ وہ بہ طور قائد قریش خاصا اہم سبب ہے۔ ان کو ہر موقعہ پر اور ہر معرکہ میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ احساس ہوتا تھا کہ آپ کی غیب سے مدد اور حفاظت کی جارہی ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر جب وہ خاص طور سے قریشی اکابر کے متفقہ فیصلہ کے مطابق آپ کو روکنے کے لیے دوسو شہ سواروں کے دستے کے ساتھ مقام عسفان پر مورچہ جمائے ہوئے تھے، وہ کئی بار کوشش کے باوجود آپ پر حملہ نہ کرسکے۔ بالآخر ان کو یہ ادراک ہوا کہ آپؐ تو محفوظ و مامون شخص ہیں (**رجل ممنوع**)۔ ایک فوجی قائد کے لیے یہ اہم تجربہ تھا۔ اسی کے ساتھ ان کا ذاتی احساس بڑھتا جاتا تھا، خاص کر قریشی فوجی ناکامیوں اور رسولِ اکرم ﷺ کی بے مثال کامیابیوں کے سبب کہ محمد [ﷺ] عن قریب غالب آجائیں گے (**وأن محمدا سیظھر**)۔ یہ صرف ان کا ہی نہیں، بلکہ دیگر قائدینِ قریش کا بھی احساس تھا۔ ان اسباب وعوامل سے ان کے دل میں اسلام کی محبت اور رسولِ اکرم ﷺ کی توقیر وعقیدت بڑھتی جارہی تھی۔ ۴۱؎

حواشی ومراجع

۱؎ تمام اردو، عربی اور دوسرے روایتی سیرت نگاروں کا یہی طریقہ ہے کہ صرف روایاتِ قبول اسلام نقل کرتے ہیں، جیسے شبلی، سیرۃ النبی، اعظم گڑھ ۱۹۸۳ئ، ۱/ ۲۰۵-۲۰۷ و مابعد (اگرچہ شبلی نے سابقین اولین کے قبول اسلام کے وجوہ واسباب سے بحث کی ہے)؛ محمد ادریس کاندھلوی، سیرۃ المصطفیٰ، دارالکتاب دیوبند، غیر مورخہ، ۱/ ۱۵۴-۱۸۳ و ما بعد؛ عبدالرؤف دانا پوری، اصح

السیر ، کتب خانہ نعیمیہ دیو بند، غیر مورخہ، ۱۵–۲۵ ومابعد (جو صرف فہرست سازی کے قبیل سے ہے)؛ صفی الرحمن مبارک پوری، الرحیق المختوم (اردو)، المجلس العلمی ، علی گڑھ ۱۹۸۸ئ، ۱۱۵–۱۱۷ و مابعد، بہ حوالہ رحمۃ للعالمین و ابن ہشام ؛ سید فضل الرحمن، ہادی اعظم، زوار اکیڈمی کراچی ۲۰۰۰ئ، ۱۶۵–۱۷۰ و ما بعد؛ حکیم محمود احمد ظفر، سیرت خاتم النبیین، تخلیقات لاہور ۲۰۱۰ئ، ۲۱۷–۲۳۸ ومابعد (اولین تین برسوں میں خاندان وار فہرست) ؛ سید ابوالاعلیٰ مودودی، سیرت سرورِ عالم، دہلی ۱۹۸۹ئ، ۲/ ۵۶۳–۵۹۹ اور ماقبل ۲/ ۱۵۴ ومابعد (خفیہ دورِ دعوت میں کاردعوت کی تعیین بہ ہر حال تجزیاتی ہے۔)

۲۔ کتابِ خاکسار، مکی اسوہ نبوی، دہلی ۲۰۰۵ئ؛ کراچی ۲۰۰۸ئ ،باب 'حبشی امتِ اسلامی'

۳۔ سید معین الحق ،سیرت محمد رسول اللہ ﷺ—تاریخ کے تناظر میں، اردو ترجمہ: رفیع الزماں زبیری، کراچی ۲۰۱۲ئ ،۲۰۶ومابعد

۴۔ مکی اسوہ نبوی، حوالہ سابق

۵۔ ظہور احمد اظہر ،شاہِ حبشہ خدمتِ نبوی میں،ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۳ء

۶۔ مذکورہ بالا کتب میں ابوابِ ہجرت حبشہ

۷۔ سید معین الحق (حوالہ سابق،ص ۲۰۹ ومابعد) جیسا مورخ بھی 'حضرت نجاشی کا اسلام سے متاثر ہونا' لکھتا اور سمجھتا ہے۔

۸۔ ظہور احمد اظہر (حوالہ سابق ،ص ۱۱، حاشیہ: ۲۱۳) کی تحقیق یہ ہے کہ امام مسلم وغیرہ محدثین نے نام اصحم دیا ہے اور کتبِ سیرت وتاریخ میں ان کے والد کا نام ابجر بروزن اکبر، اصغر وغیرہ ہے۔ عام طور سے ان کا نام اصحمہ ملتا ہے اور ان کے والد کا بحر وغیرہ۔

۹۔ مذکورہ بالا مؤلفینِ سیرت میں سے چند نے بعض اکابرِ قریش کے اضطراب وفکر کا ذکر کیا ہے ۔اس پر بحث آگے آئے گی۔

۱۰۔ شبلی: ۱/ ۲۷۳–۲۷۴

۱۱۔ صفی الرحمن مبارک پوری ،ص ۴۴ ۵، اسماء الرجال کی عام کتابوں کا عمومی حوالہ ہے، مگر اس واقعہ کا ماخذ مذکور نہیں ہے۔حاشیہ میں کئی واقعاتِ تاریخ ۷ رہجری کی تعیین کے بارے میں مدد لی ہے،مگر ان میں سے کسی کے ماخذ کا حوالہ نہیں دیا ہے ۔یہ پوری بحث بلا ماخذ تشنہ ہے۔

۱۲۔ کاندھلوی: ۲/ ۴۵۴–۴۵۹ ۱۳۔ داناپوری ،ص ۲۳۲–۲۳۵

۱۴۔ سید فضل الرحمن ،ص ۳۸۸–۳۹۲ ۱۵۔ حکیم محمود احمد ظفر، ص ۷۹۷–۸۰۲

۱۶۔ شاہ حبشہ خدمتِ نبوی میں، ۱۹۶–۲۰۰، بہ حوالہ اصابہ: ص ۵۸۹۷؛ استیعاب: ص ۱۹۳۱؛ ابن سعد: ۴/ ۲۵۴؛ البدایۃ: ۴/ ۲۵۵؛ سیر اعلام النبلاءَ: ۱/ ۴۲۸

۱۷۔ ابن اسحاق/ ابن ہشام، حمدی طباعت مکتبۃ المورد القاہرۃ، ۲۰۰۶ئ، ۳ /۱۷۱–۱۷۲ ؛